© rasailojaraid.com

اولیاء اللہ کی پہچان

تحریر: جناب غلام سرور قریشی صاحب

حسن ظن، ایک ایسی مثبت سوچ ہے جو انسان کو دوسرے انسانوں کا مداح بھی رکھتی ہے اور خود اسے بہت سی بے چینیوں سے محفوظ بھی۔ اس کے برعکس سوء ظن ایک اخلاقی بیماری ہے۔ جو بلا وجہ انسان کو دوسرے انسانوں کا حاسد بنا دیتی ہے اور وہ بلا وجہ ایک نہ بجھنے والی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ اسلام حسن ظن کا داعی اور سوء ظن کا ماحی (مٹانے والا) ہے۔

ہم اپنے نیک مسلمان بھائیوں کے بارے میں حسن ظن، عقیدت اور محبت رکھنے کے پابند ہیں۔ سو جن نیک بھائیوں کی ظاہری زندگی اسلام کے مطابق ہوتی ہے اور وہ اپنی دنیوی زندگی میں ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہوتے ہیں وہ ہمیں بڑے محبوب ہوتے ہیں، وجہ اس محبت اور عقیدت کی یہ ہوتی ہے کہ ان کی زندگی میں ہمیں اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نمونہ نظر آتا ہے۔ گویا وجہ محبت و عقیدت حضور اقدس کی سنت، سیرت اور تعلیم کا عکس ہے۔ ہم حسن ظن سے کام لیتے ہوئے یہ خیال بھی اپنا لیتے ہیں اور اپنا لینا چاہیے کہ ان نیک لوگوں کی اندرونی، نجی اور باطنی زندگی بھی سیرت محمدیؐ کے عین مطابق ہوگی۔ لیکن ہمیں ان کی باطنی زندگی کے معاملات جاننے کی کوئی شعوری کوشش کرنے کی اجازت نہیں۔ اسلام جاسوسی اور کسی دوسرے مسلمان کے اندرونی معاملات کی ٹوہ لینے کی ممانعت کرتا ہے۔ ہمارا معاملہ ظاہر سے ہے اور جس قدر کسی مومن کی ظاہری زندگی کے اعمال میں خدا خوفی اور سنت نبویؐ کا رنگ گہرا ہوتا چلا جائے گا، اسی قدر ہماری عقیدت اس سے بڑھتی جائے گی اور ہم اسے تقوی کے مدارج پر بلند سے بلند تر کرتے جائیں گے اور جب وہ بندہ مومن ہمارے خیال کے مطابق، نیکی کی معراج پر چلا جائے گا تو ہم اسے اپنی عقیدت کی معراج یعنی درجہ صالحیت اور ولایت پر فائز کرلیں گے عام اس سے کہ کہ اس بندۂ مومن کی اندرونی زندگی کا کیا حساب ہے۔ ایسے نیک اولیاء کا ادب واحترام ہم "اکرام مومن" کے اسلامی حکم کے تحت کرنے کے پابند ہیں۔ ہم ان سے دینی اور دنیوی معاملات میں رہنمائی بھی لے سکتے ہیں اور ان سے اپنے حق میں دعائے خیر بھی کرا سکتے ہیں۔

اب دوسرا پہلو لیجیے ۔۔۔ ہم کسی بھی انسان کی نجی اور پرائیویٹ زندگی کا علم حاصل کرنے کی کوئی شعوری کوشش کرنے کے مجاز نہیں۔ لیکن بعض اوقات انسان سے کچھ ایسے فعل سرزد ہو جاتے ہیں۔ جو نہ تو اس انسان کے ظاہر سے مطابقت رکھتے ہیں اور نہ ہی ہم ان کی توقع، اس انسان سے کر سکتے ہیں۔ مثلاً ایک انسان جسے ہم متقی کہتے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جس کا ظاہر نہایت ہی پاکیزہ تھا اور جس کے ظاہر پر انحصار کر کے ہم نے اسے درجہ ولایت پر فائز کر رکھا تھا، کسی غیر معیاری رویہ یا کسی غیر اسلامی عمل کا مرتکب ہوتا ہے تو اس رویہ اور عمل کے ذریعے اس مقدس ہستی کا باطن خود بخود ظاہر ہوجاتا ہے اور اس سے ہماری عقیدت اور محبت کے جذبات منفی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں پھر احتیاط برتنا ہوتی ہے۔ مجبوری، اضطراری اور ناگہانی حالت کے تحت بعض اوقات بتقاضائے بشریت کسی بھی انسان سے لغزش ہو جاتی ہے۔ لیکن کبائر کا صدور اگر بتکرار ہوتا جائے تو اس شخصیت کی باطنی زندگی خود بخود عریاں ہوجاتی ہے اور اسی نسبت سے اس ہستی کو ہم اپنی عقیدت اور محبت کے تخت پر سے اتار دیتے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے اب یہ بات کرلی جائے تو بہتر ہے کہ ولایت وہبی یا موروثی نہیں بلکہ یہ کسبی ہے اللہ تبارک و تعالے کو اپنی مخلوق سے بڑی محبت ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ سارے بندے، فرماں برداری کے تقاضے پورے کرتے ہیں اور ان کی محبت کا استحقاق برقرار رکھیں بلکہ اس باب میں فرماں برداری کے عام تقاضوں سے بھی آگے بڑھیں۔ مثلاً نماز فرماں برداری کا بنیادی سبق ہے مگر نوافل زائد اور اختیاری بندگی ہے۔ اسی طرح رمضان کے روزے فرض ہیں مگر دوران سال نفلی روزے بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ زکوۃ اور عشر فرائض ہیں مگر صدقات نافلہ جس قدر زیادہ ہوتے جائیں گے۔ مخیر کے استحقاق محبت الہیہ میں اضافہ کرتے رہیں گے۔ فرائض کی تکمیل کے ساتھ بھی محبت الہیہ میں اضافہ ہوتا ہے مگر نوافل اور ذکر باری تعالیٰ کے مسنون طریقوں پر کاربند ہونا چونکہ اضافی عبادت ہے اور ذات باری تعالیٰ سے بندے کے شغف کا ثبوت ہے۔ اس لئے ایسے بندے کو اللہ تعالے اپنا دوست بنالیتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں ہوگا کہ جو بندے زائد اور نفلی عبادات سے قاصر رہیں اور صرف فرائض کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی پر ہی اکتفا کریں، وہ محبت الہیہ اور اس کی دوستی سے محروم رہیں گے۔ یہ اپنی اپنی محنت کا ثمر ہے۔ جو جتنی محنت کرے گا اور اپنی زندگی کو جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی کاپی بنائے گا، اسی قدر اسے اللہ تبارک وتعالے کا قرب، نزدیکی اور محبت حاصل ہوتی جائے گی اور یہی ولایت ہے۔

ولایت چونکہ کسب و عمل صالحہ کا اثر ہے اس لئے اس کے مدارج بھی مختلف ہیں۔ مگر دنیا میں، کسی بھی شخص کی ولایت پر، دوسرے بندوں کے لئے، کوئی آسمانی شہادت نہیں بھیجی جاتی۔ آسمانی شہادت، نبوت پر ہے، ولایت پر نہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا فرض ہے، اور آپؐ پر ایمان نہ لانا کفر ہے جبکہ کسی ولی پر ایمان لانا فرض نہیں۔ اسی لئے اس کی ولایت پر کوئی آسمانی شہادت نہیں اتاری جاتی۔ صحیح مسلم شریف میں ایک حدیث ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالے اپنی محبت سے نواز دیتے ہیں، ایک فرشتہ زمین وآسمان میں اس کا اعلان کرتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔یہ اعلان کوئی انسان، کانوں سے نہیں سن سکتا اور اس کا تعلق، دراصل اس بندۂ مومن کے مراقب پر اللہ تعالےٰ کی اپنی پسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔ تاہم دیگر انسان، اس کے ظاہر پر قیاس کر کے اسے ولی کہنے لگ جاتے ہیں۔ اور اکرام مومن کے حکم کے تحت اس کا ادب واحترام کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ یہ ضرور پسند فرماتے ہیں کہ ان کے سارے بندے، عبودیت کی معراج یعنی ولایت حاصل کریں اور ان کی رضا جوئی، خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کے لئے مسنون قاعدوں کے مطابق زیادہ سے زیادہ ساعی ہوں اور تزکیہ نفس پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیں۔ عبادات کا مقصد وحید تزکیہ نفس ہے۔ ہوائے نفس کی پیروی بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور اور سنت کی خلافُ ورزی اعمال کو مردود کردیتی ہے۔ تزکیہ نفس ہی قرآن مجید، نبوت اور سنت کی غرض وغایت ہے جس قدر بندہ اپنی خواہش نفس کو رضائے الٰہی کے تحت اور سنت نبویؐ کے مطابق کرتا چلا جائے گا، اسی قدر، اس کا نفس مزکیٰ ہوتا چلا جائے گا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام نفس کی خواہشات کو کچلنے کا داعی نہیں بلکہ ان کی تکمیل کے واسطے ایک نہایت ہی عمدہ اور اخلاقی ضابطہ مقرر کرتا ہے۔ جو دراصل اس دنیا کے اندر اس کی اپنی فلاح اور کامیابی کی ضمانت دیتا ہے اور آخرت میں جنت کی بشارت دیتا ہے۔ مثلاً اسلام کا یہ پروگرام نہیں کہ بندہ قوائے شہوانیہ کو کسی سخت ریاضت، مجاہدہ یا تپسیا کے ذریعے سرے سے برباد ہی کر ڈالے اور گوتم بدھ کی طرح سب کچھ تج کر بن باس ہوجائے۔ اسلام میں پانی میں چلے کاٹنے، چپ کے روزے رکھنے، حرم سے قطع تعلق کرنے، بارہ سال چولہے پر پکا ہوا کھانا نہ کھانے، آگ تاپنے اور دوپہروں کو دھوپ میں کھڑا رہنے کی کوئی گنجائش نہیں اور ان میں سے کوئی مجاہدہ بھی ولایت کے حصول کے واسطے درکار نہیں بلکہ جو لوگ غیر مسنون اور خود ساختہ پروگراموں پر عمل پیرا ہوتے ہیں وہ ایک طرف اپنے خالق کی عطا کردہ صلاحیتوں کو برباد کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں اور ناشکری کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ اسلام ترک لذات یا انقطاع تعلقات کا داعی نہیں بلکہ ان کی مسنون طریق پر تعدیل کا حامی ہے۔ اس لئے اولیاء اللہ دنیا سے الگ نہیں ہوتے، بلکہ دنیا کے میدان عمل میں عقائد صحیحہ کے تحت، سنت رسول اللہؐ کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہیں۔ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری کرتے ہیں۔ وہ زمین کا سینہ شق کر کے کاشتکاری کے ذریعے رزق حلال کماتے ہیں۔ وہ لکڑیاں کاٹتے اور پھاڑتے ہیں وہ کرسی عدالت پر احکام الٰہی کے مطابق مقدمات کے فیصلے بھی کرتے ہیں۔ وہ فوجوں کے کمانڈر بھی ہوتے ہیں۔ وہ بازاروں میں اسلام کے احکام بیع وشراء اور مضاربت کی روشنی میں تجارت بھی کرتے ہیں۔ وہ سکولوں کالجوں میں معلم بھی ہوتے ہیں۔ وہ گاڑیاں بھی چلاتے ہیں۔ وہ کارخانہ دار بھی ہوتے ہیں اور مزدور بھی۔ غرض وہ جسد ملت کے اندر پاکیزہ روح کی طرح کام کرتے اور اللہ کی دنیا کو اللہ کی منشا کا مظہر بناتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک صالح شخص نے مناجات کر کے اللہ تعالےٰ سے عرض کیا تھا کہ انھیں اس دنیا میں ہی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ت میں اپنے پڑوسی کا پتہ بتا دیا جائے تو حکم ہوا تھا کہ کل صبح باہر تشریف لے جائیے اور جو آدمی سب سے پہلے آپ سے ملے گا، وہی جنت میں آپ کا ہمسایہ ہوگا تو جو شخص آپ کو ملا تھا وہ ایک لکڑہارا تھا جو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر پیٹھ پر اٹھائے آرہا تھا۔ وہ لکڑہارا یقیناً ولی اللہ ہوگا جسے جنت میں نیک آدمی کی ہمسائیگی کا شرف ملا تھا۔ اور اس سارے مضمون پر "الکاسب حبیب اللہ" کا حکم سند ہے۔

اگر طویل اور غیر مسنون چلہ کشی حصول ولایت کا ذریعہ ہوتی اور سارے انسان حصول ولایت کی جدوجہد میں لگ جاتے اور کوئی پانیوں میں کھڑا ہوتا، کوئی آگ کے بیچ لگا کر بیٹھا ہوتا، کوئی چپ کا روزہ رکھے ہوتا، کوئی دھوپ میں ڈیرہ لگائے ہوتا، کوئی طویل فاقہ کشی میں لگا ہوتا تو اس دنیا کا کیا رنگ ہوتا؟ اللہ تعالے ضرور چاہتے ہیں کہ ان کے سارے بندے، ان کے ولی بن جائیں اور اگر ولایت یونہی ملتی تو پھر نہ شہر بستے نہ گاؤں، سکول ہوتے نہ کالج، کارخانے ہوتے نہ بازار، کھیت ہوتے نہ کھلیان، عدالت ہوتی نہ قاضی، بلکہ سرے سے نسل آدم ہی ختم ہوجاتی۔

نیکوں، پرہیزگاروں اور ولیوں سے عقیدت و احترام سے پیش آنا واجب ہے ہم انکی صحبت بھی اختیار کریں۔ ہم ان سے اپنے حق میں دعا کے لئے بھی کہیں اور بس ۔۔۔ رہی یہ بات کہ ہم اس سے آگے بھی قدم بڑھائیں تو ہم محفوظ نہیں ہیں۔ ہمارا سارا معاملہ ظاہر سے ہے اور ظاہر اتنی ہی اجازت دیتا ہے۔ ظاہر پر قیاس کرکے باطن کو جان لینے کا دعوی پر خطر ہے۔ ہمیں نہیں معلوم جس ہستی کو ہم نے نیک، پرہیزگار اور ولی سمجھا ہے، اللہ تعالے کے نزدیک اس کا حقیقی مقام کیا ہے۔ ہم تو یہی حسن ظن رکھیں گے کہ اللہ تعالے کے ہاں بھی وہ ہستی اسی مقام پر فائز ہوگی جس پر ہم نے اسے دنیا میں کر رکھا ہے۔ گوکہ حسن ظن واجب ہے مگر یقین کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ اس معاملہ کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ وہ بزرگان سلف جن کے تذکرے سے تاریخ منور ہے۔ ہمارے لئے اسی طرح لائق احترام ہیں۔ جس طرح ہمارے دور میں موجود صلحاء واجب الاحترام ہیں۔ لیکن بعض کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے منفی بیان دیئے ہیں۔ چونکہ ہم نے انھیں دیکھا نہیں اس لئے ہم کسی بھی طرح مکلف نہیں کہ ان کے بارے میں یقیناً منفی بیان ہی قبول کریں اور ان کے بارے میں اپنے دل میں کوئی کدورت پال لیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی تذکرہ نگار نے کسی ذاتی تعصب کے تحت منفی رائے قبول کرلی ہو۔ ٹھیک ہے اس طرح یہ عین ممکن ہے کہ کسی مورخ نے ذاتی عقیدت کے تحت غلو سے کام لیتے ہوئے حقیقت کے چہرے پر کچھ اضافے بھی کردیئے ہوں۔ اس سلسلے میں ہمیں قرآن سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ سب سے بہ ہے۔ سورۃ الحشر ۱۰ میں ہے۔ (ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بلا ایمان۔ ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنو۔ ربنا انک رؤوف رحیم) اے ہمارے رب ہمیں بخش دیجئے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو ہم سے پہلے ایمان لائے ۔ اور ہمارے دلوں میں ان ایمان لانے والوں کے حق میں کوئی کدورت نہ پیدا فرمائیے ،اے ہمارے رب بیشک آپ رؤف اور رحیم ہیں ۔

یہاں تک گزارشات کا ماخذ یہی قرآنی دعا ہے ۔ اور یہاں تک ہم محفوظ ہیں ۔ اب بعض احباب اس محفوظ حد سے آگے قدم بڑھاتے ہیں اور اپنی عقیدت کے ساتھ گھر کے دروازے بھی کھول دیتے ہیں ۔ اخبارات میں اکثر اوقات نہایت ہی روح فرسا واقعات اس غلطی کے نتیجے میں چھپتے رہتے ہیں ۔ کہ جسے اصلی سمجھ کر حریم خانہ میں تکریم و تحریم کے تخت پر بٹھایا تھا ، وہ نقلی نکلا ۔ جسے عزت اور مال کے بعد اپنی عاقبت کا محافظ بنایا تھا ، وہ بہو بیٹی کی عصمت اور اثاث البیت پر ہاتھ صاف کر گیا ۔ یہ واقعات تواتر سے رونما ہوتے رہتے ہیں اور یہ اس غلط تخمینہ کا اثر ہوتا ہے جو ہم کسی شخصیت کے باطن کے بارے میں لگاتے ہیں ۔ اس لئے ہمارے لئے محفوظ طریقہ اسلام نے یہی مقرر کیا ہے کہ ہم باطن دانی اور باطن بینی کی نہ تو کوشش کریں اور نہ اپنے اندر باطن میں جھانکنے کی صلاحیت سمجھیں ۔

سورۃ یونس میں ارشاد ہوتا ہے ۔ (الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم و لاھم یحزنون۔ الذین آمنوا وکانوا یتقون) ۔ یاد رکھنا ۔ بیشک اولیاء اللّٰہ پر کوئی غم اور فکر نہیں (کیونکہ) یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (اللّٰہ سے) ڈرتے رہے ۔ اولیاء اللّٰہ کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ ایمان دار ہوتے ہیں اور اپنی پوری زندگی اللّٰہ کی رضا کے مطابق قاعدۂ مسنونہ پر گزارتے ہیں اور ہر کام دیکھ کر کرتے ہیں کہ مبادا ان سے کوئی ایسا عمل صادر ہو جائے یا کسی کام کے کرنے میں وہ کوئی ایسا طریقہ اپنالیں جو اللّٰہ اور اس کے رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نہ ہو ۔ قرآن مجید میں بتکرار ایمان اور اعمال صالحہ کا ذکر ہوتا ہے ۔ اور یہی دو صفات ولایت کو مستلزم ہیں ۔ ایمان، عمل صالح، للہیت ۔ خشیت تقویٰ جیسے ہی اوصاف ہیں جو قرآن مجید میں بتکرار دنیوی فلاح اور اخروی فوز عظیم کے لوازم میں بتائے گئے ہیں ۔ آپ سارا قرآن مجید اور تمام احادیث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (صحاح ستہ) کو دیکھ لیں ان میں کہیں بھی کسی بھی طرح ولایت کو چلہ کشی ، نفس کشی ، حجرہ نشینی ،گدی نشینی ، خلافت مجاز سے مشروط نہیں کیا گیا ہے ۔ ولایت دنیائے عمل میں ملتی ہے قبروں میں نہیں ۔

اولیائے کرام اللّٰہ تعالےٰ کی دنیا میں اپنا کردار ۔ اس کی منشا کے مطابق ادا کر کے ،اس کی رضا حاصل کرتے ہیں ۔ وہ شیطان اور اس کی ذریت کے لئے دنیا کا میدان خالی چھوڑ کر خود گوشہ نشین اور قبرستان میں نہیں جا رہتے ہیں ۔ بلکہ وہ طاغوت کا تعاقب کرنے کو اس عمل کی دنیا میں مورچہ لگا کر رہتے ہیں ۔ وہ اگر ہدیہ تحفہ لیتے ہیں تو دیتے بھی ہیں ۔ ہدیہ تحفہ اور نذر نیاز ان کا ذریعہ روزگار نہیں ہوتا پس اولیاء اللّٰہ باعمل مومن ہی ہیں ۔ باعمل سے مراد دین اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیا کے میدانوں میں برسرِ پیکار اور باطل کے خلاف سینہ سپر۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔(یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ وکونوا مع الصادقین)(التوبہ ، ۱۱۹) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ ہم اس ارشاد کے بموجب "صادقین" کے ساتھ ہونے کو تیار ہیں۔ مگر پہلے یہ دیکھ لیں کہ "صادقین" کون ہیں۔ اور ان کے ساتھ ہو جانے سے کیا مراد ہے "صادقین" وہی باعمل مسلمان ہیں جو دنیا میں نور الٰہی کو خون جگر سے روشن رکھے ہوئے ہیں۔ جو حق و باطل کی اس آویزش میں "جو ابتدائے آفرینش سے جاری ہے، حق کے علم بردار چلے آرہے ہیں اور آج بھی اس راستے میں اپنی جانوں، اولادوں اور اموال کے بدلے جنت کے سودے کر رہے ہیں، "صادقین" وہ نفوس قدسیہ ہیں جو ابلیسی نظام ہائے زندگی کے مقابلے میں اسلامی نظام زندگی کے غلبہ اور نفاذ کی منظم تحریکیں چلا رہے ہیں، ان تحریکوں میں عملاً شامل ہونا اور ان صادقین کے کندھے سے کندھا ملا کر، حق کی حمایت میں اپنا سب کچھ قربان کرنا "کونوا مع الصادقین" کا تقاضا ہے۔ اسی مفہوم کو قرآن مجید ایک اور مقام پر یوں بیان کرتا ہے۔(ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر۔)(ال عمران ، ۱۰۴) تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت دے اور منکر سے روکے۔ یہ جماعت صادقین کی ہے اور اسی کے ساتھ ہو جانے کا حکم ہے۔ پھر ایک اور رحمانی مضمون دیکھئے۔(و تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان) "نیکی اور پرہیزگاری پر تعاون کرو (لیکن) گناہ اور ظلم پر تعاون نہ کرو۔ چونکہ "صادقین" اس تحریک کے روح رواں ہوتے ہیں جو باطل، سرکشی اور طاغوت کے مقابلے میں کام کرتی، اس کی راہ روکتی اور اعلان حق کرتی ہے، اس لئے ان سے تعاون کا حکم آیا ہے۔ یہ نہیں کہ اگر کچھ لوگ اس ساری کشاکش سے الگ ہو کر بیٹھ رہے ہیں اور اپنے تئیں کسی گوشۂ ذکر میں معتکف کر لیا ہے اور کسی مزار کی سجادہ نشینی پر گزران کر رہے ہیں تو تم بھی ان کے صدق و صفا کے سایۂ عاطفت میں ان کے ساتھ ہو جاؤ اور بالواسطہ طور پر حق کی تحریک کو کمزور کر ڈالو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔(فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون)(الانبیاء ، ۷) "اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو" اس حکم کا سیاق و سباق یہ ہے کہ کفار جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام آباء اجداد کے دین کی مخالفت کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بات باپ دادا کی نہ کرو۔ اسلام کی کرو۔ اسلام کا بنیادی پتھر ہمیشہ سے توحید ہے۔ اور اس پر شہادت لینا چاہو تو ان لوگوں سے لے لو، جو اہل ذکر ہیں یعنی اہل کتاب سے۔ تورات و انجیل میں توحید کا نور، قرآن پاک کی طرح ہی موجود ہے۔

ذکر سب سے پہلے کتاب ہے۔ ذکر نماز ہے۔ ذکر نصیحت ہے۔ ذکر اللہ تعالے کی تسبیح و تقدیس ہے۔ ذکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔

ماہرین علوم قرآنی، مفسرین، معارف اسلامی سے آشنا اور محدثین کرام اور شارحین حدیث یقیناً اہل ذکر ہیں اور ان سے بلکہ صرف ان سے مسائل کو پوچھنا بنتا ہے اس طرح سے "اہل ذکر" کو عام کرلیں تو کوئی مضائقہ نہیں اب ایسے "اہل ذکر" بھی ہیں جو اللہ تعالےٰ کی تسبیح و تقدیس اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بہت کثرت سے بھیجتے ہیں۔ یہ بھی یقیناً "اہل ذکر" ہیں اور قرآن مجید میں بیان کئے گئے "ذاکرین" میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اللہ تبارک تعالےٰ خالق و مالک ہیں۔ انھوں نے اپنے بندوں کو درجہ بدرجہ لیاقتیں اور صلاحتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ کئی بزرگ اور نہایت ہی دیندار حضرات اپنی ساری کوشش اور تمنا کے باوجود قرآن ناظرہ بھی نہ سیکھ سکے

اس قسم کے بزرگ بمشکل نماز اور چند قرآنی سورتیں یاد کرسکے اور بس۔ اب وہ صحت عقائد کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں۔ نوافل ادا کرتے ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالےٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک دو یاد کرلئے، وہ دن رات ان کا ذکر کرتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجتے ہیں تو وہ یقیناً "اہل ذکر" میں شمار ہیں مگر ان "اہل ذکر" میں نہیں جن سے "پوچھنے" کا حکم آیا ہے۔ یہ "اہل ذکر" یقیناً اللہ کے پیارے بندے ہیں اور ہم پر ان کا احترام واجب ہے کیوں کہ ان کا ظاہر مسنون ہے۔ لیکن مسئلہ ان سے نہیں بلکہ علمائے اسلام اور راسخین قرآن و حدیث سے پوچھا جائے گا کیوں کہ یہ صرف اہل ذکر ہی نہیں اہل علم بھی ہیں۔ بلکہ مسئلہ پوچھنا ہو تو کسی ایسی شخصیت کا انتخاب کرنا چاہیے۔ جس میں "ذکر، علم اور عمل" تینوں جمع ہوں۔ حضرت علیؓ کا قول ہے "علم بغیر عمل کے وبال اور عمل بغیر علم کے گمراہی ہے" شیخ سعدیؒ نے ایک منظوم حکایت لکھی ہے خلاصہ جس کا یہ ہے "ایک عابد خانقاہ سے ترک تعلق کرکے مدرسہ میں آگیا" وجہ اس تبدیلی کی یہ بتائی گئی کہ عابد صرف اپنا دامن بچاتا ہے جبکہ اہل مدرسہ یعنی عالم ہزاروں بندگان الٰہی کی ہدایت کا باعث بنتے ہیں

یاد رکھنا چاہیے اللہ کا کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد نہ کوئی علم ہے اور نہ کوئی ہدایت ہے۔ قرآن مجید ہی نور ہے۔ یہی روشنی ہے۔ اسی پر اللہ تعالےٰ نے اپنی نعمت تمام فرمانے کا اعلان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت، احسن الھدیٰ ہے۔ اس علم و ہدایت کے بعد یا باہر، نہ کوئی علم ایسا ہے جو تقرب الٰہیہ کا ذریعہ ہو اور نہ کوئی ہدایت!

© rasailojaraid.com